اسلام اور اشتراکیت

(از جناب مولوی حکیم محمد اسحاق صاحب - کان پور)

اصل موضوع کے متعلق کچھ لکھنے سے قبل اس غلط فہمی کو رفع کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس مضمون کا مقصود نظام سرمایہ داری کی حمایت کرنا نہیں ہے ۔ نظام سرمایہ داری جس طرح اشتراکی کی آنکھ میں خار کی طرح کھٹکتا ہے اسی طرح مسلمان بھی اس کو انتہائی نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے ، اس کو انسانیت کے لیے ایک لعنت سمجھتا ہے اور اس کو مٹا دینے کی خواہش اشتراکی سے ہزار چند اپنے دل میں رکھتا ہے ۔

یہاں تک تو مسلمان اور اشتراکی دونوں متحد ہیں لیکن اس کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ نظام سرمایہ داری کو مٹا کر دنیا میں کس قسم کا اجتماعی نظام رائج کیا جائے اور کن اصول اور بنیادوں پر دنیا کی تمدنی عمارت کی تعمیر کی جائے ؟ یہاں پہنچ کر مسلمان اور اشتراکی کے درمیان اختلاف رونما ہو جاتا ہے ۔ مسلمان اس سوال کے جواب میں اسلام کے نظریہ و نظام کو پیش کرتا ہے اور اشتراکی اشتراکیت کو اس مسئلہ کا حل قرار دیتا ہے ۔

اسلام ایک ضابطۂ حیات اور قانون زندگی کا نام ہے ۔ یہ ضابطہ اس قدر ہمہ گیر ہے کہ انسانی زندگی کا کوئی شعبہ اس کے حدود سے باہر نہیں ہو سکتا ۔ مسلمان اسی شخص کا نام ہے جو اس ضابطۂ حیات کو مکمل طور پر قبول کر لے اس لیے کہ یہ ضابطہ قابل تقسیم نہیں ہے کہ اس کے بعض حصوں کو چھوڑ کر بعض دوسرے حصوں کو قبول کر لیا جائے اور پھر

بھی آدمی مسلمان ہو یا مسلمان رہے۔ زندگی کی کسی شاخ کے متعلق اگر مسلمان اسلامی اصول وضوابط کو نظر انداز کر کے غیر اسلامی اصول وضوابط کو قبول کرتا ہے تو بظاہر وہ ابتداءً اسی شاخ کی حد تک حدود اسلام سے باہر ہوتا ہے، مگر چونکہ زندگی کے مختلف شعبے ایک دوسرے کے ساتھ طبعاً اس طرح مربوط ہیں کہ ایک کو دوسرے سے جدا کرنا ناممکن ہے اور ایک کا دوسرے سے متاثر ہونا ضروری ہے اس لیے کسی ایک شعبہ حیات میں غیر اسلامی اصول وافکار کو اختیار کرنے کا اثر اسی شعبہ تک محدود نہیں رہ سکتا بلکہ پوری زندگی پر پھیل جاتا ہے اور دوسرے شعبوں کو بھی رفتہ رفتہ غیر اسلامی رنگ میں رنگ کر چھوڑتا ہے۔ اس طرح ایک دن وہ جزوی مرتد کلی طور پر دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ یہ کیفیت تنہا اسلام ہی کی نہیں ہے بلکہ ہر منضبط نظام کی خاصیت یہی ہے۔ اور یہی بنیاد اس اختلاف کی ہے جس کی وجہ سے مسلمان اور اشتراکی ساتھ مل کر نہیں چل سکتے۔ مسلمان کو نہ تو یہ اختیار حاصل ہے کہ کسی مصلحت کی بنا پر اسلامی نظام میں ترمیم کر کے کسی دوسرے نظام کی کچھ چیزیں اس میں داخل کر لے۔ اور نہ وہ مسلمان رہ سکتا ہے اگر کسی غیر اسلامی ضابطہ کو کسی حالت میں بھی قبول کر لیتا ہے خواہ وہ ضابطہ اقتصادی ہو یا سیاسی یا زندگی کے کسی اور شعبہ کے متعلق۔ اس نے ایسا کیا تو قرآن مجید اس سے سوال کرے گا کہ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ؟ اور اس سوال کا کوئی جواب اس کے پاس نہ ہوگا۔

ان باتوں سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ مسلمان کا قومی تعصب اس انکار کا باعث ہے، یا محض مذہبی ضد کی وجہ سے وہ اپنے اس رویہ پر اڑتا ہے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اسلامی نظام ایک مدلل معقول منطقی نظام ہے، اس کی پشت پر اشتراکیت اور دوسرے تمام نظامات سے بہت زیادہ زبردست عقلی، تجربی اور نفسیاتی دلائل ہیں، اس میں دوسرے تمام نظامات سے زیادہ توازن پایا جاتا ہے، وہ انسانی زندگی کے تمام مسائل کو نہایت تشفی بخش طریقہ سے حل کرتا ہے، اور جو شخص اس نظام

کو سمجھ کر اس پر ایمان لایا ہو اس سے ہرگز یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ اس سے فروتر نظاموں میں سے کسی کو قبول کرے گا۔ اشتراکیت جن کمزوریوں کی حامل ہے اسلام ان سے قطعاً پاک ہے۔ اور اشتراکیت سے جو فائدے مطلوب ہیں وہ اس سے کہیں زیادہ بہتر طور پر اسلامی نظام سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ پھر کون نادان ہو گا جو کامل کو چھوڑ کر ناقص کو لے گا؟

ان تمہیدی سطور سے اشتراکیوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی صحیح پوزیشن کی وضاحت مقصود ہے تاکہ یہ غلط فہمی رفع ہو جائے کہ اشتراکی کے مقابلہ میں مسلمان کی بھی وہی پوزیشن ہے جو روس کے مسیحی علماء کی وہاں کے اشتراکیوں کے مقابلہ میں تھی۔ اس غلط فہمی کی وجہ اسلام کے نظام فکر و عمل سے لاعلمی ہے اور اس کو قوی کرنے والی چیز اسلام کے بعض جاہل پیرووں کی وہ غلط روش ہے جو انہوں نے اشتراکیت کے مقابلہ میں اختیار کی، یعنی انہوں نے اشتراکیت کے خلاف رائج الوقت غیر اسلامی اور غیر انسانی نظام اجتماعی کی حمایت شروع کر دی اور حدیث و قرآن سے اس کے لیے سند جواز حاصل کرنے کی سعی لاحاصل کی گویا کہ وہ عین اسلام ہے۔ حالانکہ یہ بات بالکل خلاف واقعہ ہے اور حق یہ ہے کہ اسلام جس قدر اشتراکیت کا دشمن ہے اسی قدر وہ اس ظالمانہ سرمایہ داری کا بھی دشمن ہے وہ اگر لینن اور مارکس کے اصولوں کا رواج نہیں چاہتا تو وہ تعلقہ داری، جاگیرداری، مہاجنی وغیرہ انسانیت کش اور ظالمانہ چیزوں کا بھی روادار نہیں ہے۔ مسلمان اشتراکیت کی مخالفت اس لیے نہیں چاہتا ہے کہ نظام سرمایہ داری محفوظ رہے بلکہ اس لیے چاہتا ہے کہ ان دونوں کے بجائے ایک ایسا اجتماعی نظام قائم کیا جائے جو ان دونوں سے ارفع و اعلیٰ ہے۔

یہ اسلامی نظام اجتماعی سے لاعلمی ہی کا نتیجہ ہے کہ ہمارے بہت سے افراد جن میں بدقسمتی سے بعض علماء بھی شامل ہو گئے ہیں، اشتراکیت کو لبیک کہہ رہے ہیں اور ہندوستان میں اس کے رواج کے خواہشمند ہیں۔ مزید ستم یہ ہے کہ یہ حضرات مسلمانوں کو اشتراکیت کی جانب دعوت دیتے وقت

اسلام اور اشتراکیت کو بالکل مترادف ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس بے راہ روی اور غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے ذیل میں ہم ان اختلافات کا تذکرہ کرتے ہیں جو اسلامی معاشیات اور اشتراکیت کے درمیان پائے جاتے ہیں اور جن پر غائر نگاہ ڈالنے سے اسلامی اصول کی فضیلت بھی واضح ہو جاتی ہے

اسلام کا معاشی نظریہ اور اشتراکیت دونوں مقصد کے لحاظ سے متفق ہیں۔ دونوں اس معاشی ظلم کو مٹا دینا چاہتے ہیں جو نظام سرمایہ داری میں پایا جاتا ہے اور دونوں کا مقصد یہ ہے کہ دولت کی غیر منصفانہ تقسیم کو منصفانہ تقسیم سے بدل کر دنیا کی اقتصادی سطح کو بقدر امکان مستوی بنا دیا جائے۔ مگر محض مقصد کی وحدت دو چیزوں کو ایک نہیں بنا سکتی۔ یہودیت و نصرانیت دونوں کا مقصد ایک ہے لیکن دونوں کا فرق مخفی نہیں ہے۔ بودھ مت اور ہندو دھرم دونوں "نروان" کو اپنا مقصد قرار دیتے ہیں لیکن دونوں میں اس قدر فرق ہے کہ بودھ مت کو ہندو مذہب کے استھان میں جینا دشوار ہو گیا اور بالآخر اس کو چین میں پناہ لینی پڑی۔ قادیانیت کا راستہ اسلام سے الگ ہے لیکن ایک قادیانی بھی اپنے مذہب کا مقصد وہی بیان کرتا ہے جو اسلام کا ہے۔ لہٰذا محض اس بنا پر کہ معاشی اصلاح کے معاملہ میں اشتراکیت اور اسلام کا مقصد ایک ہے یہ کہنا کہ دونوں نظریئے ایک ہیں سخت غلطی ہے —— حیرت ہے کہ اسیران دام اشتراکیت کی سب سے محکم دلیل یہی ہے —— دو نظریوں میں اتحاد کے لیے وحدت مقصد کے علاوہ نقطۂ نظر اور طریق حصول مقصد کا اتحاد بھی ضروری ہے۔ اور یہ اتحاد یہاں مفقود ہے۔ بلکہ اس حیثیت سے دونوں میں بعد المشرقین ہے۔

اشتراکیت کے بنیادی اصول اشتراکیت جس راستہ سے اپنے مقصد کو پہنچنا چاہتی ہے اس کے بنیادی اصول یہ ہیں:۔

(۱) دولت کی شخصی ملکیت کا استیصال کر دیا جائے۔

(۲) دولت اور وسائل دولت آفرینی پر تمام حقوق مالکانہ جماعت کو حاصل ہوں۔

(۳)، دولت آفرینی اور تقسیم دولت کا پورا انتظام جماعت کے ہاتھ میں ہو، جس کی طرف سے حکومت اس وظیفہ کو انجام دے گی۔

تیسرا اصول اوّل الذکر دونوں اصولوں کا لازمی نتیجہ ہے۔

اسلام کے معاشی اصول

اس کے مقابلہ میں اسلامی نظریۂ معاشی کے بنیادی اصول بھی تین ہیں۔

(۱)، دولت پر "قانون" کی ملک۔

(۲)، دولت آفرینی، تقسیم دولت، اور استعمال دولت پر قانون کا مکمل اقتدار۔

(۳)، حدود قانون کے اندر اشخاص کے لیے دولت کمانے، رکھنے اور خرچ کرنے کی پوری آزادی۔

قانون کی ملک کا کیا مفہوم ہے؟ اس کو سمجھنے کے لیے پہلے نفسِ ملک کے مفہوم کو ذہن میں حاضر کر لینا چاہیے۔ جب ہم کسی شخص کو کسی شے کا مالک کہتے ہیں تو ہمارا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کو اس شے میں ہر قسم کے تصرف کا حق حاصل ہے، نیز اس کو اسے اپنی ملک سے منتقل کر دینے کا حق بھی حاصل ہے۔ یہ دونوں حق محدود ہیں یا غیر محدود؟ ملکیت کے عین مفہوم میں یہ بات شامل ہے کہ یہ دونوں اصلاً غیر محدود حق ہیں۔ ان کے محدود ہونے کے معنی خود ملکیت کے محدود ہونے کے ہیں۔ اسی لیے خواہ سرمایہ دار ہوں یا اشتراکی یا کوئی اور، سب کے نزدیک مالک کے معنی یہ ہیں کہ اس کو اپنی ملک میں ہر قسم کے تصرف کا اختیار ہو۔ اس پر کوئی ایسی پابندی نہ ہو جو اس کو کسی طرح کے تصرف اور کسی نوع کے انتقال سے روک دے۔ اس میں شک نہیں کہ دنیا میں ہر جگہ ملکیت کے ان حقوق پر کچھ پابندیاں عائد ہیں، لیکن اصلاً اس سے ہمارے اس بیان پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اس لیے کہ وہ پابندیاں محدود مصالح کی بنا پر عائد کی جاتی ہیں۔ بنا بریں اوّل تو ان میں کوئی استقلال نہیں ہوتا، دوسرے محدود مصالح سے تعلق رکھنے کی وجہ سے ان کا اثر بھی محدود ہوتا ہے اور عالمگیر مصالح تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس لیے ان کا وجود عدم برابر ہے۔ بہر حال سرمایہ داری اور اشتراکیت دونوں کے نزدیک "ملک" کا یہی مفہوم تسلیم کیا گیا

ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ سرمایہ دارانہ دنیا میں یہ حق افراد کو حاصل ہے اور اشتراکی دنیا میں یہ حق جماعت یا بالفاظ دیگر جماعتی حکومت کو حاصل ہے۔ بلکہ اب تو خود مرکز اشتراکیت یعنی روس میں یہ حق چھوٹے پیمانہ پر افراد کو بھی عطا کیا گیا ہے۔

اسلام نے "ملکیت" کا یہ حق فرد اور جماعت دونوں سے چھین کر قانون یعنی شریعت کی طرف منتقل کر دیا ہے۔ اسلام کا قانون مسلمانوں کی جان، مال اور ان کی ہر چیز کا مالک ہے۔ پھر وہ اپنی یہ ملکیت چند مخصوص ضوابط کے ساتھ امانت کے طور پر ان کے سپرد کرتا ہے۔ اس امانت میں تصرف کرنے کے جتنے اور جیسے اختیارات اس نے فرد، جماعت اور جماعتی حکومت کو دیئے ہیں ان سے تجاوز کرنے کا حق کسی کو حاصل نہیں۔ سب انہی ضوابط کے دائرے میں رہتے ہوئے دولت میں تصرف کر سکتے ہیں۔ ان سے باہر قدم نکال کر جو تصرف بھی وہ کریں گے ناجائز، غاصبانہ اور باغیانہ تصرف ہوگا۔ یہ ضوابط ناقابل تغیر ہیں، یعنی ان کو بدلنے کا حق نہ فرداً فرداً کسی مسلمان کو حاصل ہے نہ تمام مسلمانوں کو مل کر نہ مسلمانوں کی کسی حکومت کو۔ اس طرح اسلام میں فرد و جماعت دونوں کی پوزیشن بالکل وہی ہوتی ہے جو کسی فرم کے ایجنٹ کی جو مالکان فرم کے بنائے ہوئے قوانین کے ماتحت مال کو صرف کر سکتا ہے لیکن ان ضوابط سے علیحدہ ہو کر اس میں کوئی تصرف نہیں کر سکتا۔

اسلام نے انسان کو خدا کا "ایجنٹ" ہونے کی حیثیت دی ہے۔ وہ اس کو خلیفۃ اللہ کا خطاب دیتا ہے۔ اس لیے اُس کو دولت حاصل کرنے، دولت رکھنے اور دولت میں تصرف کرنے کے صرف وہی اختیارات حاصل ہیں جو اصل مالک یعنی حق تعالیٰ نے اپنی کتاب اور اپنے رسول کے ذریعہ سے متعین کر دیئے ہیں۔ ان کے سوا وہ کسی قسم کے حقوق یا اختیارات نہیں رکھتا۔[۵]

۵ ترجمان القرآن۔ ناخدا شناس انسان جب دنیا میں آکر زمین پر پھیلے ہوئے بے شمار وسائل زندگی دیکھتا ہے تو خیال کرتا ہے کہ یہ ایک خوانِ یغما ہے جو میرے سامنے پھیلا ہوا ہے مجھے اس سے کچھ بحث نہیں کہ اس کو کس نے بچھایا (باقی بر صفحہ ۳۷۷)

طریقوں کا اختلاف دونوں نظریوں میں جو فرق و اختلاف ہے وہ مندرجہ بالا سطور پر نظر کرنے سے بالکل واضح ہو جاتا ہے اور اس کے مزید بیان کی حاجت نہیں ہے۔ اس کے علاوہ دونوں کے مناہج عمل میں بھی بہت بڑا اختلاف ہے جو آئندہ سطور سے واضح ہو جائے گا۔

اشتراکیت کے مناہج اشتراکیت کے مندرجہ ذیل عملی قاعدے بنیادی حیثیت رکھتے ہیں:۔

(۱) پبلک کے ہر فرد کے لیے کام اور بقدر محنت[۱] اس کی ضروریات زندگی مہیا کرنا حکومت کا فرض ہوگا

(۲) کوئی شخص بلا توسط حکومت اپنے لیے کام اور ضروریات زندگی حاصل نہیں کر سکتا۔

(۳) کوئی شخص بغیر محنت کے اپنی ضروریات زندگی نہیں حاصل کر سکتا۔

(۴) جسمانی محنت کرنے والے اور دماغی محنت کرنے والے بالکل مساوی سمجھے جائیں گے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۷۶) ہے یا یہ خود ہی بچھ گیا ہے، بہرحال جب یہ بچھا ہوا ہے اور مجھے اس پر ہاتھ مارنے کی آزادی حاصل ہے تو اب میں خود ہی یہ فیصلہ کروں گا کہ کس طرح ——— کس کس طرح اس پر ہاتھ ماروں۔ دنیا کے متعلق یہ نظریہ رکھنے والے لوگ اول اول اس قاعدے پر چلتے ہیں کہ جو جس کے ہاتھ لگ جائے وہ اسے لے اُڑے اور جس طرح چاہے استعمال کرے۔ پھر ان میں جوتی پیزار شروع ہوتی ہے۔ جو لوگ پہلے آکر خوان کے بیشتر حصے پر قبضہ کر چکے ہوتے ہیں ان کے مقابلہ میں بعد کے آنے والے، جو محروم رہ گئے ہیں جھگڑا اُٹھاتے ہیں اور لڑ بھڑ کر ان سے چھیننے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کے بعد کچھ دوسرے لوگ آتے ہیں اور اس جھگڑے کا یہ حل پیش کرتے ہیں کہ سارا خوان سب کا ہے، ایسے انتظام سے اس پر ہاتھ مارو کہ سب کا ہاتھ یکساں پڑے۔ ان مختلف گروہوں کے طریقے خواہ کتنے ہی مختلف ہوں، مگر اس بنیاد میں یہ سب متفق ہیں کہ یہ دنیا ایک خوان یغما ہے جو اتفاق سے ہمارے ہاتھ آگیا ہے، کوئی اس کا مالک نہیں ہے جس سے پوچھنے کی ہمیں ضرورت ہو۔ اسلام آکر ان سے کہتا ہے کہ بے وقوفو! یہ خوان یغما نہیں ہے، اس کا مالک موجود ہے، تم اس پر من مانے طریقے سے ہاتھ مارنے کا حق نہیں رکھتے، صرف مالک ہی کو یہ طے کرنے کا حق ہے کہ اس خوان پر تمہارا طرزِ عمل کیا ہونا چاہیے۔ پس دراصل سرمایہ دار اور قوم پرست اور جہانگیر اور اشتراکی کے درمیان کوئی بنیادی فرق نہیں ہے۔ بنیادی فرق صرف خداشناس اور ناخداشناس کے درمیان ہے۔

[۱] ترجمان القرآن۔ اشتراکیت کے اس قاعدے کی تاریخ کافی دلچسپ ہے۔ پہلے اس کی (باقی بر صفحہ ۳۷۸)

اور معاوضہ کے لحاظ سے دماغی محنت کرنے والوں کو زائد معاوضہ نہیں دیا جائے گا[1]

اسلام کے مناہج	(۱) اشتراکی حکومت کی طرح اسلامی حکومت بھی پبلک کے ہر فرد کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۷۷) شکل یہ تھی: "ہر ایک سے اس کی اہلیت کے مطابق اور ہر ایک کو اس کی ضرورت کے مطابق"۔ اس کے بعد اس میں ترمیم ہوئی اور یہ قاعدہ بنا "ہر ایک سے اس کی اہلیت کے مطابق اور ہر ایک کو اس کے اوقات کارگردگی کے مطابق"۔ پھر اس میں بھی ترمیم ہوگئی اور کتاب اشتراکیت کی اس "آیت" کو یوں لکھا گیا "ہر ایک سے اس کی اہلیت کے مطابق اور ہر ایک کو اس کے کام کی نوعیت و مقدار کے مطابق"۔ لینن کے "خلیفہ اوّل" اسٹالین نے اس کی جو تفسیر کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک مقرر وقت میں کام کی مقرر مقدار انجام دینے پر مزدور کو مقرر شرح سے اجرت دی جاتے، اور اس سے کہہ دیا جائے کہ اس سے زیادہ کام انجام دے گا تو انعام دیا جائے گا۔ پھر جب مزدور اتنے وقت میں زیادہ زیادہ کام کر کے انعام حاصل کرنے لگیں تو کچھ مدت بعد کام کی مقدار کا اوسط بڑھا دیا جائے اور ان سے کہا جائے کہ اب اس سے زیادہ کام کرو گے تو انعام ملے گا۔ اس طرح تھوڑی تھوڑی مدت بعد مقدار کار کا اوسط بڑھایا جاتا رہے اور مزدور کی قوت کارکردگی آخری حد تک سونت لی جائے۔ اسی تفسیر کے مطابق روس میں (STAKHANOV MOVEMENT) شروع ہوئی جس پر آج کل روس کے تمام کارخانوں میں عمل ہو رہا ہے۔ اگر سرمایہ دار دنیا کے ظالم کارخانہ دار یہ طریقہ اختیار کریں تو مزدور ہڑتال کر کے انہیں کسی حد تک انصاف پر مجبور کر سکتے ہیں، مگر روس کا مزدور اپنے بنائے ہوئے خداؤں سے اس قدر عاجز ہے کہ بیچارے کے پاس انصاف حاصل کرنے کا یہ آخری ہتھیار بھی نہ رہا۔ یہ ہے اشتراکیت کی بنائی ہوئی جنت شداد کا حال!

[1] ترجمان القرآن - یہ قاعدہ بھی اب بدل چکا ہے۔ اجرتوں کی مساوات کا تخیل محض ایک خیالی چیز تھی جسے عملی اشتراکیت نے ہمیشہ کے لیے دفن کر دیا۔ اب وہاں تنخواہیں کام کی نوعیت اور کارکن کی لیاقت کے مطابق دی جاتی ہیں۔ ۸۰ روبل سے لے کر ۱۲ سو، ۱۵ سو، ۱۸ سو، ۲ ہزار اور ڈھائی ہزار روبل تک تنخواہیں پانے والے کارکن موجود ہیں۔ بعض اہل قلم ۳ لاکھ روبل سالانہ تک رائلٹی اپنی کتابوں پر حاصل کرتے ہیں۔ اسی لحاظ سے ان کے مکان، لباس، خوراک، سواری وغیرہ میں بھی فرق ہے۔ رفتہ رفتہ وہ سب معاشی طبقات از سر نو پیدا ہو رہے ہیں جن کو مٹانے کے لیے روس میں اشتراکی انقلاب آیا تھا حتیٰ کہ سیونگ بینکوں میں روپیہ تک جمع ہوتا ہے اور اس پر تین سے لے کر دس فی صدی تک (حسب موقع) سود بھی ملتا ہے!

لیے کام اور ضروریات زندگی مہیا کرنے کی ذمہ دار ہے[1]، مگر

(۲) ہر شخص اپنے لیے کام اور اپنی ضروریات زندگی بغیر توسط حکومت بھی مہیا کر سکتا ہے یہی نہیں بلکہ وہ اس کا اتنا ہی ذمہ دار ہے جتنی کہ حکومت۔

(۳) ہر شخص کے لیے اپنی روزی محنت سے پیدا کرنا ضروری ہوگا۔

(۴) عام حالات میں دماغی کام کی قدر و قیمت جسمانی کام سے زائد سمجھی جائے گی مگر غیر محدود نہ ہوگی بلکہ ایک مقررہ معیار و اصول کے مطابق ہوگی[2] جس کا تذکرہ آئندہ سطور میں ہوگا۔

(۵) دولت پیدا کرنے، جمع کرنے اور خرچ کرنے میں حکومت اور پبلک دونوں کی حیثیت ایک ایجنٹ کی سی ہوگی اور دونوں کو مندرجہ ذیل قوانین کے ماتحت ان امور کو انجام دینا پڑے گا۔

(الف) حصول دولت کے ذرائع صرف دو تسلیم کیئے جائیں گے۔ (۱) زمین اور وہ مواد جو

---

[1] ترجمان القرآن۔ ہمیں نہیں معلوم کہ اس بیان کا ماخذ کیا ہے۔ جہاں تک ہمیں معلوم ہے اسلامی حکومت ہر شخص کو کم سے کم ضروریات زندگی بہم پہنچانے کی ذمہ داری تو ضرور لیتی ہے مگر کام فراہم کرنے کی ذمہ داری نہیں لیتی۔ اس بات کی ذمہ داری لینے کے لیے تمام حرفوں اور پیشوں پر سرکاری تسلط (STATE CONTROL) ضروری ہے، اور اسلام حکومت کو اجتماعی زندگی پر اتنا تسلط دینے سے انکار کرتا ہے۔ کیونکہ اس کے دوسرے معنی تمام باشندگان ریاست کی دستہ بندی (REGIMENTATION) کر دینے کے ہیں جس کے بعد شخصی آزادی بالکل ختم ہو جاتی ہے۔

[2] ترجمان القرآن۔ اجرتیں مقرر کرنا اسلامی حکومت کے حدود عمل سے خارج ہے۔ اس نے اس چیز کو عرف و رواج اور اجیر و مستاجر کے باہمی سمجھوتہ پر چھوڑ دیا ہے۔ البتہ خاص حالات میں اگر کسی اجیر یا اجیروں کے کسی گروہ پر ظلم ہو رہا ہو تو اس صورت میں حکومت مداخلت کرے گی اور انصاف کے ساتھ اجرتیں اور مزدوروں کے دوسرے حقوق مقرر کر دے گی۔ نیز اس بات کی بھی اسلام میں گنجائش ہے کہ حکومت ایسے حاکم مقرر کر دے جو اجیروں اور مستاجروں کے تنازعات کا تصفیہ کرتے رہیں اور کسی کو کسی پر ظلم نہ کرنے دیں۔

زمین میں ہے، (۲) محنت محض سرمایہ اس کا ذریعہ نہیں بن سکے گا۔[1]

(ب) حصول دولت کا ہر وہ طریقہ اختیار کرنا ممنوع سمجھا جائے گا جو اسلام کے بتائے ہوئے انفرادی یا اجتماعی نظام حیات کے کسی شعبہ میں تنزل کا سبب بن سکے، یا مفاد عام کے خلاف ہو اور تکلیف و پریشانی کا سبب بن جائے، مثلاً سود، جوا، احتکار کسی صورت میں جائز نہیں رکھے جا سکتے۔

(ج) حکومت اور پبلک میں سے کوئی بھی دولت میں کوئی ایسا تصرف کرنے، یا دولت کو گردش سے روک کر رکھنے کا حق نہیں رکھتا جس کا نتیجہ اجتماعی طور پر ذہنی، اخلاقی، عملی، اقتصادی یا اور کسی شعبہ حیات میں تنزل و نقصان کا سبب بن سکے یا مفاد عام کے خلاف ہو۔

(د) ہر فرد و جماعت کے لیے (جس میں حکومت بھی شامل ہے) دولت میں ایسے تصرفات کرنا لازم ہے جن کو اسلام نے اجتماعی فلاح کی خاطر ایجاباً فرض کیا ہے، مثلاً زکوٰۃ وغیرہ شرعی محاصل کا ادا کرنا پبلک کے لیے ضروری ہے اور ان کو وصول کر کے ان کے مصارف میں صرف کرنا حکومت پر واجب ہے۔

(نوٹ) یہ امر کہ کون سے امور موجب فلاح ہیں اور کون سے نہیں، اس کا تعین اسلامی اصول کریں گے نہ کہ پبلک یا حکومت کی رائے۔

اختلافات اسلام کے اقتصادی ضابطہ اور اشتراکیت کے درمیان یہ چند بڑے اور نمایاں اختلافات ہیں جن سے دونوں کا فرق با دنیٰ تامل واضح ہو جاتا ہے۔ یہ محض سطحی اختلافات نہیں بلکہ اساسی و اصولی ہیں، قلیل نہیں، کثیر ہیں، صرف نظری ہی نہیں، عملی بھی ہیں۔ ان اختلافات پر نظر کرنے سے ہم کو اسلامی

---

[1] ترجمان القرآن۔ یہ کلیہ صحیح نہیں ہے۔ اسلام میں یہ بالکل جائز ہے کہ ایک شخص سرمایہ دے اور دوسرا شخص اس پر محنت کرے۔ اور دونوں نفع و نقصان میں باہمی قرارداد کے مطابق شریک ہوں۔ البتہ سرمایہ کو دولت پیدا کرنے کا ایسا ذریعہ تسلیم کرنے سے اسلام انکار کرتا ہے کہ سرمایہ دار کو بہرحال اس کے سرمایہ کی مقدار کے لحاظ سے ایک مقرر شرح منافع ملتی رہے خواہ سرمایہ استعمال کرنے والے کو نفع ہو یا نقصان۔

اقتصادیات اور اشتراکیت کے درمیان ایک بہت بڑے اختلاف کا پتہ چلتا ہے جس کے موجود ہوتے ہوئے دونوں میں کسی موقع پر اتحاد نہیں ہو سکتا۔ یہ اختلاف دونوں نظریوں کی روح کا اختلاف ہے۔

اشتراکیت سرتاپا مادیّت محض ہے۔ شروع سے لے کر آخر تک اس میں روحانیت و اخلاقیت کی جھلک بھی نہیں نظر آتی۔ وہ محض ایک اقتصادی نظریہ ہے لیکن ایسا اقتصادی نظریہ جو انسانی زندگی کے کل اجزاء کو اقتصادیات میں جذب کر دیتا ہے۔ اس کی ابتدا بھی پیٹ سے ہوتی ہے اور انتہا بھی پیٹ پر۔ غرض اس کی بنیاد محض جذبۂ شکم پرستی اور خواہش تن پروری پر قائم ہے[1]۔ بخلاف

---

[1] ترجمان القرآن۔ دراصل مغرب کی جدید تہذیب کلیۃً اس مفروضہ سے پیدا ہوئی ہے کہ انسان صرف ایک حیوان ہے۔ انسانیت کا کوئی تصور ان کے ذہن میں حیوانیت سے الگ اور اس سے بالاتر نہیں ہے۔ وہ انسانی فطرت کے انہی داعیات و مطالبات کو اصلی اور بنیادی تسلیم کرتے ہیں جن کا منشا و مبدأ انسان کی حیوانیت ہے۔ رہے وہ پاک اور عالی مرتبہ اخلاقی و روحانی مطالبات جن کا اقتضاء خالص انسانیت کرتی ہے تو ان میں سے بعض کو وہ دبا دیتے ہیں، بعض کو اوہام و خرافات سمجھ کر ٹال دیتے ہیں، بعض کو محض گرمی سخن کے لیے نمائشی اہمیت دیتے ہیں، اور بعض کو اپنے حیوانی دستور زندگی میں داخل کرتے بھی ہیں تو اس طرح کہ وہ حیوانیت کے تابع ہو کر پاک کے بجائے ناپاک ہو کر رہ جاتے ہیں مثلاً ذوق جمال (AESTHETIC TASTE) جس کا وہ بدترین حشر یورپ میں ہوا ہے کہ جانور بھی دیکھ کر شرمائیں

مارکس اور اس کے پیرو اسی تہذیب کے بطن سے پیدا ہوئے ہیں۔ ان کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے اس منافقانہ روش کا خاتمہ کر دیا جو اخلاق و روحانیت کے بارے میں اہل مغرب نے عموماً اختیار کر رکھی تھی انہوں نے زندگی کے اس حیوانی تصور کو اس کے آخری منطقی نتائج تک پہنچا دیا اور ان تمام بے جوڑ چیزوں کو آدم زاد کی زندگی کے دستور سے خارج کر دیا جو اس حیوانی تصور کے ساتھ ربط قبول نہیں کرتیں۔ وہ کہتے ہیں کہ انسان جب حیوان ہے تو لامحالہ اس کی زندگی میں اہم ترین اور فیصلہ کن چیز معاش ہی ہونی چاہیے۔ جانور کا دماغ جو کچھ سوچتا ہے اور اس کے دل میں جو کچھ جذبات پیدا ہوتے ہیں ان سب پر آخر معدے اور جسم کا یہی مطالبہ تو حکومت کرتا ہے کہ اپنے جسمانی وجود کو برقرار رکھنے کے لیے غذا حاصل کی جائے اور پھر یہ کہ نوعی وجود کو قائم رکھنے کے لیے صنف مقابل سے میل کیا جائے۔ بس یہی چیز اس دو پاؤں (باقی بر صفحہ ۳۸۳)

اس کے اسلام کا اقتصادی نظریہ مادیت و روحانیت کے صحیح ترین امتزاج سے عبارت ہے۔ اس کی بنیاد انسان کے ذہنی و اخلاقی ارتقاء پر رکھی گئی ہے۔ اور اس میں پیٹ کے ساتھ انسان کے قلب و دماغ کی بھی پوری رعایت رکھی گئی ہے۔ اسلام کا اقتصادی نظریہ محض اقتصادی نہیں ہے بلکہ وہ ایک ایسا اخلاقی معیار بھی ہے جس سے انسان کی عملی زندگی خصوصاً اس کے معاشی مسائل کے حسن و قبح کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اس کی بنیاد کسی جذبہ پر قائم نہیں ہے بلکہ عقل خالص اور اخلاقیت صحیحہ پر رکھی گئی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۸۳) والے جانور کی زندگی پر بھی حکمراں ہے۔ تہذیب، اخلاق، مذہب، علوم و افکار سب کے سب اسی حکمراں کے تابع ہیں، اسی کی مرضی کے مطابق بنتے ہیں اور اسی کی مرضی سے بگڑتے اور بدلتے ہیں۔ پوری انسانی تاریخ مارکس کی نگاہ میں معاش کے محور پر گھومتی رہی ہے اور گھومتی رہے گی۔ جتنے مذہب پیدا ہوئے ان کو معاش کے سوال نے پیدا کیا۔ اخلاق کے جتنے اصول بنے سب کے سب معاشی بنیاد پر بنے۔ انسانی تہذیب اس کے سوا کچھ نہیں کہ معاشی حالات و ضروریات کی پیداکردہ ایک چیز ہے۔ انسان کے دل اور دماغ کی اس کے سوا کوئی حیثیت نہیں کہ وہ جسم اور اس کے مطالبات کی خدمت کے لیے تدبیریں سوچیں اور بہتر سے بہتر خدمت انجام دینے کی فکر میں رہیں۔ یہ ان لوگوں کے نزدیک انسانی زندگی کا خلاصہ ہے اور اسی وجہ سے مارکس اور اس کے پیروؤں نے تمام انسانی مسائل کو معاش اور صرف معاش کی بنیاد پر حل کرنے کی کوشش کی ہے۔

اسلام کا راستہ پہلے ہی قدم پر ان سے جدا ہو جاتا ہے کیونکہ وہ انسان کو انسان سمجھتا ہے نہ کہ حیوان۔ بلاشبہ انسانیت کا قالب حیوانی ہے اور اس حیوانی قالب کے مقتضیات (حفظ نفس و حفظ نوع) کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے، لیکن انسانیت کے اصلی مسائل اور انسانی فطرت کے داعیات و مقتضیات اس سے بلند تر ہیں اور اسلام کی نگاہ میں ایک صحیح نظام تمدن وہی ہو سکتا ہے جو نہ صرف ان دونوں پر نگاہ رکھے، بلکہ ہر ایک کو اس کے مرتبہ کے مطابق اہمیت دے۔ اشتراکیت کے نزدیک انسان کی کل زندگی معاشی ہے اور زندگی کے باقی تمام پہلو معیشت کے تابع ہیں۔ اور اسلام کے نزدیک معیشت انسان کی زندگی کے لیے ہے اور خود انسان کی زندگی ایک بڑے مقصد کے لیے ہے، اور اس بنا پر معیشت کو اس بڑے مقصد کے تابع ہونا چاہیے۔ یہ ان دونوں کے درمیان بنیادی فرق ہے۔

ہے۔ اس کا یہ امتیاز اس کو کسی مقام پر بھی اشتراکیت کے دوش بدوش نہیں چلنے دیتا۔ البتہ اگر غور کرو تو اشتراکیت اور سرمایہ داری دونوں کی "روح" ایک ہی نظر آئے گی۔ دونوں نفس پرستی اور بہیمیت کی پیداوار ہیں۔ فرق صرف مظاہر کا ہے۔ اسلام ان دونوں سے کہیں برتر ہے۔

اشتراکیت کے نقائص ذیل میں ہم ان نقائص کو نمبروار ذکر کرتے ہیں جو اشتراکیت کے لوازم میں سے ہیں تاکہ اسلام کے اقتصادی نظام کی برتری و فوقیت پورے طور پر واضح ہو جائے۔

(۱) اشتراکیت انسانی افراد میں اقتصادی مساوات قائم کرنا چاہتی ہے لیکن یہ مقصد اشتراکیت سے نہ حاصل ہوتا ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ اس لیے کہ اس میں اقتصادی نظام کے ساتھ کسی نہ کسی سیاسی نظام کا اختیار کرنا ضروری ہے اور سیاسی نظام کی عقلاً صرف دو صورتیں نکلتی ہیں جمہوری اور شخصی۔ اب اگر اس کے ساتھ جمہوری طرز حکومت کو اختیار کیا جائے گا تو جو پارٹی برسراقتدار ہوگی وہ جمہور کی کل دولت پر قابض ہوگی اور کمزور پارٹی اس میں اپنے اختیار سے کوئی تصرف نہ کر سکے گی۔ یہ صورت بعینہ وہی ہے جو سرمایہ دار ممالک میں سرمایہ داروں اور غرباء کی ہے۔ اور اگر جمہوریت کو چھوڑ کر شخصی طرز حکومت اختیار کیا جائے گا تو شناعت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ اس لیے کہ اس صورت میں فرد واحد کل دولت پر قابض ہو جائے گا جو سرمایہ داری کی بدترین شکل ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ دونوں صورتوں میں برسراقتدار پارٹی یا ڈکٹیٹر دولت کا صرف محض مفاد عام کے لیے کر سکتا ہے نہ کہ اپنی ذات کے لیے، اس لیے اس میں امارت و غربت کا کوئی سوال پیدا نہیں ہونے پاتا۔ مگر یہ عذر ناقابل سماعت ہے کیونکہ مفاد عام کا تعین اور تصرف کی نوعیت مقرر کرنا برسراقتدار جماعت یا فرد ہی کے اختیار میں ہے غرض سرمایہ دارانہ نظام کو اشتراکیت سے تبدیل کرنا "فر من المطر وقر تحت المیزاب" (بارش سے بھاگ کر پرنالے کے نیچے پناہ لی) کا مصداق ہے۔

(۲) حکومت اور پبلک کے درمیان اتحاد کے بجائے افتراق و عدم تعاون کی اسپرٹ پیدا

ہو جاتی ہے جس سے دونوں کے درمیان ایک ایسی کش مکش برپا ہوتی ہے جس کا مٹا دینا ناممکن ہے۔

(۳) اس کش مکش کو مٹانے کے لیے حکومت کو سخت گیری اور ظلم سے کام لینا ناگزیر ہو جاتا ہے۔ روس کے مشہور قحط کے واقعات اس کی مثال ہیں۔

(۴) پبلک کی فطری خواہشوں کو دبانے کے لیے طرزِ حکومت استبدادی اختیار کرنا پڑتا ہے روس کی جمہوریت کا آمریت میں تبدیل ہو جانا اس کی واضح مثال ہے[۱]۔

(۵) پبلک کے کل معاملات کی ذمہ داری حکومت پر عائد ہو جاتی ہے، جس کی وجہ سے پبلک میں سے خود اعتمادی کا وصف مفقود ہو جاتا ہے۔ افراد میں اس کی صلاحیت نہیں باقی رہتی کہ وہ خود اپنی ذمہ داری پر اپنی زندگی کے معاملات انجام دے سکیں۔ اگر یہ چیز محض افراد تک محدود رہتی تو بھی غنیمت تھا لیکن چونکہ افراد ہی جماعت بناتے ہیں اس لیے رفتہ رفتہ اس کا اثر پوری جماعت پر محیط ہو جاتا ہے اور چند نسلیں گزرنے کے بعد خود اعتمادی کے اشد ضروری وصف کا جماعت سے بھی مفقود ہو جانا یقینی ہے آخر کار اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان افراد سے قائم کی ہوئی حکومت میں بھی یہ صلاحیت باقی نہ رہے گی کہ وہ کسی اہم کام

---

[۱] ترجمان القرآن۔ روس میں کوئی فیکٹری ایسی نہیں ہے جس پر ہمیشہ سخت فوجی پہرہ لگا ہوا نہ ہو حتیٰ کہ کارخانوں کے اندر بھی فوجی سپاہی سنگین چڑھی ہوئی رائفلیں لیے ٹہلتے پھرتے ہیں۔ اس پہرہ داری کے لیے "سابوتاژ" (کارخانے تباہ کرنے کی سازشوں) کو بہانہ بنایا گیا ہے حالانکہ دراصل اس کا مقصد مزدوروں کو خوف زدہ رکھنا ہے تاکہ وہ حکومت کے عائد کردہ ضبط و نظام کے خلاف ہڑتال کرنا تو درکنار دم تک نہ مار سکیں۔ دراصل تجربہ سے یہ ثابت ہوا کہ اشتراکی حکومت ایک ایسے سرمایہ دار کا نام ہے جو تمام چھوٹے چھوٹے سرمایہ داروں اور کارخانہ داروں کو کھا کر ایک بڑا سرمایہ دار اور کارخانہ دار بنتا ہے۔ حکومت بھی اس کے ہاتھ میں ہوتی ہے، تمام وسائل معیشت بھی اس کے قبضہ میں ہوتے ہیں، اور تمام ملک کی دولت پر بھی اسی کا قاہرانہ تسلط ہوتا ہے۔ نظام سرمایہ داری میں کم از کم اس کا تو موقع ہے کہ ایک سرمایہ دار فرد یا کمپنی کو چھوڑ کر مزدور کسی دوسرے کے آستانے پر چلا جائے، یا حکومت سے فریاد کرے لیکن جہاں اشتراکیت کا ویوتا ظلم پر اتر آئے وہاں یہ سب دروازے بند ہیں۔ وہاں تو ایک ہی کارخانہ دار ہے، وہی حاکم بھی ہے اور رزق کے سارے دروازوں پر بھی وہی قابض ہے شیطان کے ترکش میں شاید یہ آخری تیر باقی رہ گیا تھا جو اس نے اب انسان پر چھوڑا ہے!

کو ذمہ دارانہ طور پر انجام دے سکے۔ اس کا لابدی اثر زندگی کے کل شعبوں میں ابتری، عمران و تمدن کی بربادی، اور انسانیت کی بربادی ہے۔

(۶) اقتصادیات پر حکومت کا قبضہ ہونے کی وجہ سے حکومت و سیاست کو تاجرانہ لائنوں پر چلانا پڑتا ہے حالانکہ تجارت و سیاست انسانی زندگی کے دو بالکل مختلف شعبے ہیں جن ذہنی صلاحیتوں اور اخلاقی اوصاف کی حاجت اول الذکر میں ہے ان سے بالکل مختلف اور متضاد فکری و اخلاقی اوصاف کی ثانی الذکر میں ضرورت ہے۔ ایسی حکومت جو تجارتی بنیادوں پر قائم کی جائے کبھی سیاست و فرمانروائی میں کسی مضبوط اصول اور مضبوط پالیسی پر قائم نہیں رہ سکتی۔ اس کو مجبوراً ابن الوقت بننا پڑتا ہے۔ وہ اصول پرست کے بجائے زرپرست ہوتی ہے۔ وہ تجارتی و صنعتی مصالح کے لیے اصول کی بربادی کی کوئی پرواہ نہیں کر سکتی۔ اس کا کیرکٹر متضاد اصول سے مرکب ہونے کی وجہ سے مستقل اور پختہ نہیں ہو سکتا۔ اس کے نتائج آخر کار ظلم و جبر اور پبلک کی عافیت تنگ ہونے کے سوا اور کیا ہو سکتے ہیں؟

(۷) ایسے نظام میں شخصی آزادی مسلوب ہو جاتی ہے اور اس کی وجہ سے افراد کی ذاتی استعداد کا نشو و نما رک جاتا ہے اور جماعت اس کے ثمرات سے محروم ہو جاتی ہے۔

(۸) قوموں کے عروج و زوال اور ان کے فنا و بقا میں اخلاق کو بنیادی حیثیت حاصل ہے لیکن اشتراکی نظام میں چونکہ کل نظام زندگی کا محور محض معاشیات کو بنا دیا جاتا ہے اور دوسرے شعبہ ہائے زندگی کو صرف معاشی نقطۂ نظر پر ڈھالا جاتا ہے اس لیے اخلاقیات کا زوال یقینی و لابدی ہے۔ اخلاق کا زوال انسانیت کے فقدان کا ہم معنی ہے، اور اس کا لازمی اثر بہیمیت کا نشو و ارتقاء ہے جس کے پیدا ہو جانے کے بعد انسانیت میں مادیت کے سوا اور کچھ باقی نہیں رہتا۔ تجربہ شاہد ہے کہ دنیا کی کوئی طاقتور سے طاقتور قوم بھی اس درجہ پر پہنچ کر فنا ہونے سے نہیں بچ سکتی۔ وہ اہم ترین صفات جو انسانیت کی جان ہیں، اور وہ تمام چیزیں جن سے انسانیت کا قوام ہے،

اس کی نگاہ میں بے قدر و قیمت ہو جاتی ہیں، اور قدر صرف ان چیزوں کی باقی رہ جاتی ہے جن کی کوئی معاشی قیمت ہو، یا جن کا کوئی مادّی فائدہ ہو۔ کیا اس خالص حیوانیت کے ساختہ انسان جی سکتا ہے؟

(۹) دماغی محنت کی قدر و قیمت کو جسمانی محنت کی قیمت کے مساوی سمجھنا اور محض وقت کے لحاظ سے دونوں کو ان کی محنت کا معاوضہ دینا اصولاً خلاف انصاف ہے۔

(الف) دماغی کام کی افادی حیثیت جسمانی کام کی افادی حیثیت سے کہیں زائد ہے۔ ایک لائق انشاء پرداز اپنی انگلیوں سے جو کچھ کر سکتا ہے وہ دس ہزار مزدوروں کے ہاتھ مل کر بھی نہیں کر سکتے۔

(ب) تمام محققین کا اتفاق ہے کہ جسمانی محنت سے جسم کا جس قدر حصہ تحلیل ہوتا ہے اس سے دس گنا زائد دماغی محنت سے تحلیل ہو جاتا ہے، یعنی ایک گھنٹہ کی دماغی محنت اور دس گھنٹہ کی جسمانی محنت مساوی ہیں۔

(ج) اطبائے قدیم و جدید دونوں کا اتفاق ہے (جس کا تجربہ بھی ہر شخص کر سکتا ہے) کہ دماغی کام کرنے کی حالت میں جسم کا کل نظام عصبی اُسی کام کی جانب متوجہ ہو جاتا ہے جس سے جسم کے ہر دوسرے کام کی رفتار سست ہو جاتی ہے۔ آلات ہضم اپنا کام پورے طور پر انجام نہیں دے سکتے، تعمیر جسم کا کام رکا رہتا ہے اور تحلیل کا کام جاری رہتا ہے بلکہ اس کی رفتار دس گنی تیز ہو جاتی ہے۔ چنانچہ تجربات بتاتے ہیں کہ امراض کا شکار زیادہ تر دماغی کام کرنے والے ہوتے ہیں۔ جسمانی محنت کرنے والے عموماً صحت و تندرستی کے لحاظ سے ان سے فائق ہوتے ہیں۔ خصوصاً دق، سل، ذیابیطس، ضعف اعصاب، قلت خون، وغیرہ مہلک امراض ۹۵ فی صدی دماغی محنت کرنے والوں کو ہوتے ہیں۔ ان حقائق کی موجودگی میں دماغی محنت اور جسمانی محنت

دونوں کو ایک ہی مرتبہ دینا قطعاً ظلم اور ناانصافی ہے۔

(ح) دُنیا کے ۹۹ فی صدی آدمی جسمانی محنت کے برابر دماغی محنت نہیں کر سکتے۔ مگر چونکہ اشتراکیت کے اصول دونوں کو ایک ہی مرتبہ دیتے ہیں اس لیے ایسے نظام میں مجبوراً ان کو جسمانی کام کے مساوی دماغی کام انجام دینا پڑے گا جس کا یقینی نتیجہ صحت و تندرستی کی بربادی اور موت کو دعوت دینا ہے۔

علاوہ بریں یہ اصول انسان کی طلب ارتقاء کو سرد کر دینے والا اور عالی ہمت لوگوں کی ہمتوں کو لپست کر دینے والا ہے۔

(۱۰) اشتراکیت چونکہ اپنی کوئی اخلاقی بنیاد نہیں رکھتی، اور اس نظام کے تحت افراد میں کوئی اندرونی جذبہ اس کی اطاعت و پیروی کا فطرۃً پیدا نہیں ہوتا اس وجہ سے یہ نظام صرف جابرانہ قوت کے زور پر ہی چل سکتا ہے۔ افراد ہمیشہ اس کے بند توڑ کر نکلنے کے لیے کوشاں رہیں گے اور صرف اسی وقت تک اس کے مطیع رہیں گے جب تک ایک آہنی شکنجہ انہیں کسنے کے لیے موجود رہے گا۔ اس شکنجہ کی گرفت ڈھیلی ہونے کے بعد خود اس نظام میں قیام و بقاء کی کوئی طاقت نہیں ہے۔ اس لیے یہ نظام ہر وقت زوال آمادہ رہتا ہے اور جابرانہ قوت کی ادنئے کمزوری بھی اس کو فنا کے گھاٹ اُتار سکتی ہے۔

مندرجہ بالا نقائص کے ماسوا بھی اشتراکیت بہت سے نقائص و معائب کی حامل ہے جن کو ہم بخوف طوالت نظر انداز کرتے ہیں۔

(باقی)